عقائد کی تعبیر میں امام قشیری کی صوفیانہ فکر کا تحقیقی مطالعہ

A Study of Imam Qusheri's Sufi approach to elaborate Ideology

محمد نوید اقبال[1]   ڈاکٹر محمد کریم خان[2]

ABSTRACT:

The faith is a matter of knowledge which the people are obliged to believe in their heart. Islamic belief is solid and concrete and it is not changeable faith. Al-Qushayrī whose complete name is 'Abd al-Karīm ibn Hūzān Abū al-Qāsim was a famous Muslim Sufi scholar and theologian known for his works on **Sufism**. He wrote many literatures on various issues but however his fame, is due mostly to his book Al-Risāla al-Qushayriyya. This text is a complete commentary on the basic terms of Sufism and an essentially reminder to the people of his era that Sufis had authentic Islamic tradition and solid belief. Al-Qushayri repeated the basic knowledge of Islamic faith and admiration of Sufism belief throughout his Risala. The Al-Qushayrī interpreted the faith which is based upon the Quran and Sunnah thoughts. The Qushayrī gives different evidence from the manner about faith and belief. Al-Qushayrī points the evidence of visible signs in the universe about the Toheed. He also describes many Sufism schools of thought like Junaidi, al-Sulami, Daqqaq and imam Wasti, in the views of their thoughts he gives sold examples and arguments for the interpreting of faith. The research looks the views of the Al-Qushayrī, taking a methodological approach to his debates on Islamic faith and makes the comprehensive evident of the nature of Sufism and concludes the message of Allah in dealing with all aspects of society. In this article, the researcher highlights the views of Imam Al-Qushayrī that Islam is a distinctive and correct faith from which may be drawn balance. The article concludes by arguing that the Al-Risāla al-Qushayriyya provide a comprehensive study of basic Islamic faith and inner practices of Sufism.

Keywords: Al-Risāla al-Qushayriyya, Qushayrī, islamic faith, sufism.

اسلام ایک دین کامل ہے۔ اسلام مخصوص عقائد پر اعتقاد رکھنے کا دین ہے۔ ان عقائد کا زبان سے اقرار کرنے والا مسلمان اور اور انکار کرنے والا دین سے خارج ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام میں عقیدہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اسلامی عقائد کی تعبیر میں مسلمان محققین کا کافی اختلاف ہے۔ نبی پاک کے زمانہ میں تو صرف زبان سے کلمہ شہادت پڑھنے والا مسلمان کہلاتا تھا۔ عصر نبوی میں عقیدہ اسلامی سے مراد زبان سے اللہ کی وحدانیت کا اقرار، حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان اور اخرت پر اعتقاد کا نام ہی اسلام تھا۔ جیسے جیسے اسلامی علوم وفنون میں ترقی ہوتی گئی تو اسلامی عقائد کی تعبیر میں بھی مختلف نظریات پیدا ہوتے گئے۔ توحید جو کہ اللہ کی ذات کو واحد ویکتا ماننا تھا اس بنیادی عقیدہ میں بھی متکلمین اور فلاسفر وغیرہ کے اختلاف سامنے آ گئے۔ صفات باری تعالی کی تعبیر میں اختلاف پیدا ہوا جس کے نتیجہ میں بعد میں صوفیائے کرام کے ہاں مسئلہ وحدت الوجود میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ متاخرین صوفیا نے عقیدہ وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا۔ بنیادی عقائد کی اقسام تو نہ بدلیں مگر ان کی

[1] Ph.D Scholar, Islamic Studies, Imperial College of Business Studies, Lahore.
[2] Assistant Professor, Islamic Studies, Imperial College of Business Studies, Lahore.

تعبیر ہر گروہ اور ہر فرد اپنے اپنے نقطہ نظر سے پیش کی۔ متکلمین کے بر عکس صوفیائے کرام میں سے بہت سے صوفیا نے بنیادی عقائد کو اپنے انداز میں پیش کیا۔ متقدمین سے میں امام ابو القاسم عبد الکریم قشیری ہیں جنہوں نے تصوف پر مستقل کتاب رسالہ قشیریہ لکھا ہے۔ رسالہ قشیریہ کو خاصی شہرت حاصل ہے یہی وجہ ہے عقیدہ کی تعبیر میں امام قشیری کے نظریات کا انتخاب ان کی دیگر تصانیف کے بر عکس رسالہ قشیریہ سے کی گئے ہیں۔ آنے والے صفحات میں مختصر سا امام قشیری کے احوال و آثار اور بعد میں عقائد کی تعبیر میں ان کا منہج ذکر کیا جائے گا۔

احوال و آثار:

امام قشیری کا نام و نسب رسالہ قشیریہ میں یوں ذکر ہے: ''هو الامام أبو القاسم عبد الكريم بن هوازن بن عبد الملك بن طلحة بن محمد الاستوائی القشيری النيسابوری الشافعی، المحدث الصوفی ولد سنة فی شهر ربيع الأول فی بلدة (استوا) ونسبته ''القشيری ''الى بنی قشير بن كعب۔''[1] ان کا نام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن بن عبد المالک بن طلحہ بن محمد استوائی قشیری، نیشاپوری، شافعی اور صوفی محدث ہیں۔ ان کی ولادت استوا میں ربیع الاول کو ہوئی۔

امام قشیری عربوں کی اولاد میں سے ہیں جو خراسان کے نواح استوا میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ والد کی طرف سے قشیری اور والدہ کی طرف سے سلمی تھے۔[2]

امام قشیری ابھی بچے ہی تھے کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ پھر آپ ابو القاسم الیمانی کے پاس گئے اور ان سے ادب اور عربی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ جب ذرا ہوش سنبھالا تو معلوم ہوا کہ ان کے گاؤں پر قرضے کا بوجھ ہے۔ امام قشیری حساس طبع تھے انہوں نے اس تکلیف کو محسوس کیا اور ارادہ کیا کہ نیشاپور جا کے علم حساب سیکھ کر محکمہ استیفا میں ملازمت کر کے اپنے گاؤں کے بھاری قرض کو اُتاروں گا اور نیشاپور خراسان کا پایہ تخت تھا۔ علماء اور علوم کا مرکز اور گہوارہ تھا۔ امام قشیری کا نیشاپور آنے کا مقصد دنیا کا حصول تھا نہ کہ دینی علم کو حاصل کرنا اور طبیعت ایسی تھی کہ دنیا داروں سے میل جول رکھنا پسند تھا۔[3]

اس طرح قشیری علوم کی طرف راغب ہوئے اور وقت کے امام بن گئے۔ امام قشیری درس و تدریس کے ساتھ تصوف کی طرف راغب زیادہ ہوگئے۔ آپ نے علم تصوف کی تدریس و تعلیم کے ساتھ ساتھ دیگر علوم و فنون کی بھی تعلیم دی۔ آپ کے شاگرد بھی اعلیٰ مقام کے حامل تھے جن کے علوم و فنون کے دریا سے بے شمار لوگوں نے اپنی علمی پیاس بجھائی ان میں سے کچھ خاص تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں:

خطیب بغدادی، ابو بکر عبد الرحمن بن عبد اللہ البحیری، ابو محمد عبد اللہ بن عطاء الابراہیمی، ابو عبد اللہ الفراوی آپ نے 20 سال لوگوں کو صحیح مسلم سنائی، متقی اور مناظر بھی تھے۔[4]

تصانیف:

پاشا بغدادی نے ہدیۃ العارفین میں ان کی درج ذیل کتب بیان کی ہیں:

التفسير الكبير، الرسالة، السبتجير فی التذكير، آداب الصوفيه، كتاب الجواهر، كتاب المناجاة، النحو، لطائف الاشارات، كتاب احكام السماع، كتاب المعراج، الفصول فی الاصول، بلغة المقاصد، شكاية أهل السنة بحكاية مانالهم من المحنة۔[5]

ان کے علاوہ امام قشیری کی اور بھی بے شمار کتب ہیں اہم اور دقیق موضوعات پر[6]۔ امام قشیری نے بانوے (92) سال کی

عمر میں وفات پائی 465ھ میں۔ شیخ ابو علی الدقاق کے پہلو میں دفن ہوئے۔[7]

یا من تقاصر شکری عن ایادیه

وکل کل لسان عن معالیه

جلاله ازلی لازوال له

وملکه دائم لاشئ یفنیه[8]

رسالہ قشیریہ کا تعارف:

رسالہ قشیریہ سے پہلے تصوف پر بے شمار کتب مدون ہوئیں، جس میں ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی (م393ھ) نے بستان العارفین لکھی عبدالجبار نفری نے (م354ھ) کتاب المواقف اور کتاب المخاطبات لکھی۔ان کے علاوہ مستقل فن کی حیثیت سے پہلی تصوف کی کتاب 'کتاب اللمع' ہے۔ اس کے بعد دوسری کتاب رسالہ قشیریہ ہے جس میں تصوف کے ہر اہم مسئلے پر مفصل اور دقیق گفتگو کی گئی ہیں. یہ کتاب نہایت ہی سادہ اور عام وفہم زبان میں ہے۔[9]

امام قشیری رسالہ قشیریہ کے مقدمے میں واضح کرتے ہیں سن تالیف اور وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هذه رسالة کتبها الفقیر الی الله تعالی عبدالکریم بن هوازن قشیری، الی جماعة الصوفیة ببلدان الاسلام، فی سنة سبع وثلاثین وأربعمائة[2] (امام قشیری نے یہ رسالہ بلدان اسلام کے صوفیہ کی جماعت کی طرف 437ھ میں لکھنا شروع کیا اور 438ھ کے ابتدائی دور میں ہی اس کو مکمل کیا۔)

اس کتاب میں مباحث تصوف کے علاوہ امام قشیری کا دور حیات معاشرتی، دینی اور اخلاقی بے راہ روی کا شکار نظر آتا ہے اور انہوں نے ان کی تمام برائیوں کو واضح بیان کیا ہے۔اپنی کتاب کے مقدمے میں اور ان برائیوں کو انہوں نے آزمائش سے تعبیر کیا ہے۔[10]

رسالے کو تحریر کرنے کا مقصد اور مضامین تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

غیرت علی هذه الطریقة أن یذکرأهلها بسوء، أو یجد مخالف لثلبهم مساغاً۔۔۔ فعلقت هذه الرسالة الکریمه، اکرمکم الله۔ وذکرت فیها بعض سیر شیوخ هذه الطریقة فی آدابهم، وأخلاقهم، ومعاملاتهم، وعقائدهم بقلوبهم، وما أشاروا الیه من مواجیدهم وکیفیة ترقبهم من بدایتهم الی نهایتهم۔ لتکون لمریدی هذه الطریقة قوة، ومنکم لی بتصحیها شهادة، ۔[11]

ترجمہ: اس رسالہ میں یہ تبدیلی کی گئی کہ اس میں اہل تصوف کی برائیوں یا ان کی مخالفت کو بھی ذکر کیا گیا ہے لہذا میں نے بعض صوفیا کے احوال، ان کے طریقت کے آداب، اخلاق، معاملات، عقائد، ذہنی میلانات، ان کے جدید رجانات اور ان کی تصوف میں ابتدا سے انتہا کی ترقی کو ذکر کیا ہے۔ تاکہ اس طریقت کے حامل مریدن کو تقویت ملے۔اور ط میرے لئے ان عقائد کی تصحیح میں وہ شہادت کا درجہ رکھتے ہیں۔

رسالہ قشیریہ کے 54 ابواب ہیں۔ بزرگانِ دین کے احوال، توحید، اصطلاتِ تصوف، تصوف کے مختلف احوال ومقامات، سماع کے حوالے سے الگ باب میں گفتگو کی ہے اور بزرگانِ دین کی آراء کو بھی بیان کیا ہے۔اولیاء اللہ کی سو سے زائد کرامات اور حکایات کا ذکر کیا ہے، مریدین کو وصیت کے ساتھ ساتھ شیخ (پیر) کی ذمہ داریوں کو بھی مفصل بیان کیا گیا ہے تصوف اور آداب شریعت میں ربط کو

بڑے احسن انداز سے سپردِ قلم کیا ہے امام عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ نے رسالہ قشیریہ میں اصطلاحات تصوف کے معنی و مفہوم اور ان کی مکمل وضاحت اور شرح کی ہے۔[12]

اللہ عزوجل کے فضل و کرم اور برکت سے اس کتاب کو ہر مکتبہ فکر کی طرف سے بھی پذیرائی ملی ہے۔ اور سلسلہ طریقت میں رسالہ قشیریہ کو بڑی قبولیت اور مقام و مرتبہ ملا ہے ہر سلسلہ میں اس کتاب کی تعلیم اساسی پہلوؤں اور نکات میں شامل ہے۔امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ:اگر تصوف کا مطالعہ کرنا ہو تو رسالہ قشیریہ کا مطالعہ کیا جائے۔[13]

امام سبکی طبقات الشافعیہ میں لکھتے ہیں:الرسالۃ المشھورۃ المبارکۃ التی قیل ماتکون فی بیت و قلب۔[14]

عقیدہ کا معنی و مفہوم:

عقیدہ کا مادہ "عقد" ہے۔ عقد لغت میں ثابت، پختگی، گانٹھ اور واجب کے معنیٰ میں آیا ہے۔ عقد کو عہد سے بھی تعبیر کیا گیا ہے جیسے امام خلیل فراہیدی لکھتے ہیں:

والعقد مثل العھد عاقد تہ عقد امثل عاھدتہ عھدا[15]۔یعنی عقد ایک طرح کا عہد ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے عقد کیا، یہ اسی طرح کا کلام ہے جیسے کوئی بولے کہ میں نے عہد کیا ہے۔

ابن خلدون علم عقائد کی تعریف یوں کرتے ہیں:ھو علم یتضمن الحجاج عن العقائد الایمانیۃ بالا دلۃ العقلیۃ والرد علی المبتدعۃ المخرقین فی الاعتقادات عن مذاھب السلف واہل السنۃ عن سرھذہِ العقائد الایمانیۃ ھوالتوحید ۔[16]

ترجمہ: علم کلام میں عقائد ایمانیہ پر دلائل عقلیہ سے حجت لائی جاتی ہے اور جو اہل بدعت مذہب سلف اہلِ سنت سے روگردانی کر کے عقائد ایمانیہ میں شک کرنے لگتے ہیں، ان کی تردید مقصود ہوتی ہے۔ان عقائد میں سب سے بڑا عقیدہ توحید کا ہے۔

علم عقائد سے مراد ایک اہم دینی علم ہے جس کے معنیٰ ہیں وہ قلبی تصدیق جو کسی تصور میں یقین کی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ بعض مصنّفین نے علم کلام اور علم عقائد کو مترادف قرار دیا ہے، جیسے دائرہ معارف اسلامیہ ملاحظہ ہو:"بعض مصنّفین علم کلام اور علم عقائد کو مترادف قرار دیتے ہیں۔ علم کلام اور علم عقائد میں جزوی ترادف کے باوجود کچھ اختلاف بھی ہے اور وہ یوں ہے کہ علم عقائد محض اقرارات کے بیان اور ان تعیین کا نام ہے اور علم کلام میں عموماً اقرارات کی تصدیق کا بدلائل (زیادہ تر عقلی) اثبات کیا جاتا ہے۔"[17]

سعد الدین تفتازانی نے علم کلام کی یوں تعریف ذکر کی ہے:ان مبنی علم الشرائع والاحکام اساس قواعد الاسلام ھو علم التوحید والصفات الموسوم بالکلام المنجی عن غیاث الشکوك و ظلمات الاوھام۔[18]

ترجمہ: یہ توحید و صفات الٰہی کا علم، اسے علم کلام کا نام دیا گیا ہے۔ شکوک و شبہات تاریکیوں اور اوہام و عقائد باطلہ کی ظلمتوں سے نجات دینے والا ہے۔

مذکورہ علم کلام کی اصطلاحی تعریفوں میں اگرچہ علماء اور متکلمین نے مختلف الفاظ و عبارات کا استعمال کیا ہے تاہم ان مختلف عبارات و تعبیرات کے مفہوم میں ہم آہنگی نظر آتی ہے۔ وہ اس طرح کہ علم کلام اس علم کو کہتے ہیں جس کا ہدف و مقصد اسلامی عقائد کا دلائل عقلیہ سے

اثبات اور زنادقہ ملاحدہ اور عقائد باطلہ کے نظریات کا ابطال ہے۔ علم کلام کی وسعت کے پیش نظر احمد امین نے اس کو چار حصوں میں تقسیم کیا کہ عصر جدید میں علم کلام صرف عقائد دینیہ کی توضیح و تشریح کا نام نہیں ہے۔ بلکہ مرور زمانہ اور وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ اس میں بہت سی چیزیں شامل ہوتی رہی ہیں اور ایسی چیزوں کا بھی اضافہ ہوا جن کا اس سے قبل عقائد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں سمجھا جاتا۔ احمد امین لکھتے ہیں:

قسم الالهيات مثل البحث فى الله و ذاته و صفاته و افعاله وانبيائه ورسله و نحوذالك وهذا معقول ان يكون فى صميم علم الكلام اما القسم الثانى فهو فى الطبعية والكيميا ادهل مثل الجوهر والعرض والجزء الذى لا يتجزا والحركة والسكون المكون والطفرة والتناحل والالوان والطفوم والروائح ونحو ذلك والقسم الثالث قسم سياسى محض صيغة علم الكلام صبغة دينية والكلام فى ايهما افضل واحق بالخلافة والقسم الرابع عقلى حلقى كا لبحث فى الخير والشروالاستطاعة والاختيار و التحسين والتنقيح والتقبيح العقلين واعجاز القرآن والاجماع والقياس كل هذا وامثاله جعل علم الكلام يشتمل على مسائل لا حد لها۔[19]

ترجمہ: علم الکلام کی سب سے اہم قسم الہیاتی مسائل سے بحث کرتی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ اس کی ذات وصفات و افعال، انبیاء اور رسل وغیرہ اس قسم کو ہم صحیح معنوں میں علم کلام کہہ سکتے ہیں۔ علم کلام کی حکمیہ قسم جس کا تعلق زیادہ تر طبعیات اور کیمیا سے ہے۔ مثلاً جوہر اعظم، جزلا یتجزیٰ، حرکت، سکون، امور مخفیہ، طفرہ، (درمیانی منزل طے کیے بغیر جسم کا ایک منزل سے دوسری منزل تک پہنچ جانا۔ رنگ، بو وغیرہ علم کلام کی سیاسی قسم جسے دینی رنگ دے دیا گیا ہے مثلاً ان میں سے کون افضل ہے اور خلافت کا حقدار ہے۔ علم کلام کی عقلی قسم خیر و شر کی بحث، انسانی ارادہ اختیار کا مسئلہ، حسن و قبح، عقلی اعجاز قرآن، اجماع، قیاس، یہ تمام اسی قسم کے دوسرے مسائل کو علم الکلام کا نام دیا گیا ہے۔

درج بالا معروضات ذکر کرنے کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ علم عقائد، علم کلام کی ذیلی قسم ہے۔ علم کلام اور علم عقیدہ کو مترادفات میں سے شمار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ عقیدہ اسلامی سے کیا مراد ہے۔ اس کی تعریف یوں ذکر کی گئی ہے:

الایمان باللہ تعالیٰ و بملائکتہ ورسلہ والیوم الاخر وبالقدر خیرہ وشرہ[20]

ترجمہ: عقیدہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کے ملائکہ، رسل، کتب، یوم آخرت اور ہر اچھی و بری تقدیر پر ایمان رکھتا ہے۔

کچھ محققین نے "عقیدہ" کو "سنت" کا بھی نام دیا ہے۔ جیسے امام احمد بن حنبل نے علم عقائد کے عنوان پر "السنۃ" کے نام سے کتاب لکھی ہے اسی طرح امام ابن ابی عاصم نے بھی "السنۃ" کے نام سے کتاب تحریر کی ہے۔ بعض علماء نے عقیدہ کو "علم اصول دین" کو بھی نام دیا ہے۔ شرح عقیدہ طحاویہ کے مقدمہ میں ہے: اما بعد فانه كان علم اصول الدين اشرف العلوم ازشرف العلم بشرف المعلوم[21]

ترجمہ: اما بعد بے شک یہ علم "اصول دین" اشرف العلوم ہے کیونکہ علم کی عزت معلوم کی عزت سے ہوتی ہے۔ امام ابو حنیفہ نے علم عقائد پر مشتمل کتاب "الفقہ الاکبر" کے نام سے تالیف کی ہے۔

عقیدہ ایمان اور کفر:

امام قشیری نے صوفیانہ نقطہ نظر سے تعریف ذکر کی ہے۔ لکھتے ہیں: حقیقی مومن وہ ہے جس کے لئے جنت کا فیصلہ ہو گیا ہو تو جو شخص اللہ کے اس پوشیدہ راز کو نہیں جانتا اس کا یہ دعوی کہ وہ حقیقتاً واقعی مومن ہے صحیح دعوی نہیں ہے۔[22]

امام قشیری اصل می غیب پر ایمان رکھنا اور غیب کے متعلق دعوی نہ کرنے والے کو مومن قرار دیتے ہیں۔اس سلسلہ حضرت داتا علی ہجویری نے کشف المحجوب میں محمد بن خفیف کا قول نقل پڑ ہیں تو تعریف واضح ہو جائے گی۔وہ فرماتے ہیں:"ایمان اس چیز کو باور کرنے کا نام ہے جو غیب سے دل پر ظاہر ہو۔کیونکہ صحیح ایمان غیب ہی پر ایمان لانا ہے۔حق تعالیٰ کو ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے اور بجز تائید حق کے ہمارا ایمان قائم نہیں ہو سکتا۔"[23]

کفر کی تعریف میں امام قشیری حضرت واسطی کا قول نقل کرتے ہیں: کفر اور ایمان، دنیا اور اخرت اللہ کی طرف سے ہیں۔اللہ کے ساتھ ہیں۔اور اللہ کے لئے ہیں۔ابتدا اور آغاز اللہ کی طرف سے ہے اور واپسی اور انتہاء بھی اللہ کی طرف ہے۔[24]

حضرت داتا علی ہجویری نے کشف المحجوب میں حضرت جنید بغدادی کا قول ذکر کیا ہے:" جنید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اساس الکفر قیامک علی مرادنفسک "کفر کی بنیاد یہی ہے کہ انسان اپنے نفس کے سانچے میں ڈھل جائے"نفس کو حقیقت اسلام سے دور کا رشتہ بھی نہیں اس لیے وہ مخالفت ایمان کی روش پر چلتا ہے، منکر ہوتا ہے اور منکر ہمیشہ بیگانہ ہوتا ہے"[25]

عقیدہ توحید:

توحید باب تفعیل کا صیغہ ہے جس کا مادہ "وحد" ہے۔لغت میں توحید کا معنیٰ اکیلا ہے۔صوفیاء کرام نے بھی توحید کی لغوی تشریح ذکر کی ہے جیسے امام قشیری فرماتے ہیں:

لغت میں کہا جاتا ہے:(وحدیحد فھو واحد ووحد ووحید) جس طرح کہا جاتا ہے:(فرد فھو فارد و فرد و فرید)۔"احد" اصل میں "وحد" تھا واو کو ہمزہ سے بدلا کیونکہ واو مفتوحہ کو بعض اوقات ہمزہ سے بدل دیتے ہیں جس طرح واو مکسورہ اور واو مضمومہ کو ہمزہ سے بدلا جاتا ہے۔اسی طرح "امراۃ اسماء بمعنی وسماء" کہا جاتا ہے اور یہ "وسامۃ" سے بنا ہے۔اہلِ علم کی زبان میں اللہ کے "واحد" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس کی تعریف میں وضع اور رفع نہ پایا جائے (یعنی جو مرکب نہ ہو) بخلاف اس کے جب کہا جائے کہ "انسان واحد" ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ہاتھ اور پاؤں کے بغیر ہے اس میں رفع اور وضع دونوں پائے جاتے ہیں یعنی جو ہاتھ اور پاؤں کے بغیر ہے اس میں کسی چیز کا رفع (اٹھانا) بتایا گیا ہے اور اللہ یکتا ہے (کسی چیز سے مرکب نہیں) برخلاف اس نام کے جو کسی ایسی چیز کے لیے وضع کیا گیا ہو جو چند اشیاء سے مرکب ہو۔[26]

امام قشیری نے مختلف تعریفات ذکر کی ہیں۔ان میں ایک توحید باری تعالی کی تعریف یوں مذکور ہے کہ: اللہ کے واحد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو اس کی ذات کی تقسیم ہو سکتی ہے نہ وہ اپنی ذات وصفات میں کسی کے مشابہ ہے اور نہ ہی اس کے افعال و مصنوعات میں کوئی اس کا شریک ہے[27]۔ اصطلاح شریعت میں اللہ کو صفت ربوبیت کے ساتھ جاننا، اس کی وحدانیت کا اقرار کرنا، اسے ہر قسم کے شرکاء سے بری جاننا، اس کی وحدانیت کا اقرار کرنا، توحید ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک، اس کی صفات شرک سے پاک ہیں۔یعنی جیسا اللہ تعالیٰ ہے، ویسا ہم کسی کو اللہ مانیں اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو اللہ تصور کرتا ہے تو وہ ذات میں شرک کرتا ہے۔[28]

رسالہ قشیریہ میں تصور توحید کو بہت ہی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔اس سلسلہ میں امام قشیری نے متعدد صوفیاء کے اقوال اور واقعات ذکر کیے ہیں۔مختلف مجالس اور مواقع پر جب توحید کی تعریف اور وضاحت کے متعلق پوچھا گیا تو صوفیاء کرام نے کیا جواب دیا ہے؟ ذیل

میں امام قشیری کے نقل کردہ اقوال میں سے حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ سے توحید کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: جس ذات کو موحد (ایک) اقرار دیا جارہا ہے اس کے کمال احدیت کے ہوتے ہوئے اس کی وحدانیت کی تحقیق کی وجہ سے اسے اس طرح ایک سمجھنا کہ نہ اس کی اولاد ہے اور نہ اسے کسی نے جنا ہے، نہ اس کی ضد ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے، نہ اس کی کوئی شبیہ ہے نہ کیفیت، نہ صورت اور نہ مثال ہے، اس کو "توحید" کہتے ہیں[29]۔ ارشادِ خداوندی ہے: لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَيۡءٌ[30](اس جیسا کوئی نہیں)

توحید کے کے معنی و مفہوم کو علامہ قشیری نے مختلف اقوال کی روشنی میں بہت ہی احسن انداز میں بیان کیا ہے۔ مگر امام قشیری کے اسلوب و انداز بیان سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ توحید اصل میں صوفیاء کے نزدیک ایک کیفیت کا نام ہے جس کو بیان نہیں کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ وہ محسوس کرنے کی لذت ہے شاید اسی تناظر میں امام قشیری نے حضرت جنید بغدادی کے حوالہ سے حضرت ابو بکر صدیق کا قول نقل کیا ہے کہ ذات الٰہی معرفت سے بالا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: سبحان من لم يجعل لخلقه سبيلا الى معرفته الا بالعجز عن معرفته۔[31]

ترجمہ: وہ ذات پاک ہے جس نے اپنی ذات کی پہچان کے لیے صرف ایک راستہ بنایا اور وہ اس کی معرفت سے عاجز ہونا ہے۔

مذکورہ بالا قول کی تشریح میں امام قشیری نے ابو القاسم کا قول نقل کیا ہے۔ استاذ ابو القاسمؒ فرماتے ہیں: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ محققین کے نزدیک عجز موجود چیز سے ہوتا ہے، معدوم چیز سے نہیں۔ جیسا کہ اپاہج اپنے بیٹھنے سے عاجز ہے کیونکہ اسے اس کا کسب اور فعل حاصل نہیں حالانکہ بیٹھنے کی صفت موجود ہے۔ اسی طرح عارف اس کی معرفت سے عاجز ہے اور معرفت اس کے اندر موجود ہے کیونکہ اس کے لیے معرفت ضروری ہے اور ان لوگوں کے نزدیک آخر کار معرفت الٰہی ضروری ہے۔[32]

صفاتِ باری تعالیٰ:

صوفیاء کرام نے علم توحید کو تین اقسام میں ذکر کیا ہے:

ذاتِ خداوندی اور اس کی وحدانیت کا علم۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے احکام کا علم۔ اللہ تعالیٰ کے افعال اور اس کی حکمتوں کا علم۔

اللہ تعالیٰ کی صفات بھی دو طرح کی ہیں ایک وہ صفات جو ذات خداوندی کا جزء ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اختیار میں بھی نہیں ہے کہ ان صفات کو اپنی ذات سے جدا کرے ورنہ اس سے ذات خداوندی میں جہل اور عجز لازم آئے گا۔ حضرت امام قشیری، ذات خداوندی کی صفات اور افعال کے متعلق تفصیل سے لکھا ہے ذیل میں قرآنی ایات سے صفات باری تعالی کی وضاحت کی جاتی ہے۔ ذات وصفات اور افعال خداوندی کے علم کے ثبوت میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاعۡلَمۡ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ[33] (تو جان لو اللہ تعالیٰ ہی صرف لائق عبادت ہے۔)

فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوۡلٰٮكُمۡ[34] (پس جان لو کہ! اللہ تمہارا مالک ہے۔)

اس طرح رب تعالی کی قدرت اور دائرہ کار کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيۡفَ مَدَّ الظِّلَّ[35] (کیا تو نے نہیں دیکھا تیرے رب نے سائے کو کیسے دراز کیا۔)

أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ[36] (کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس انداز پر پیدا کیا گیا۔)

اسی طرح کی اور بہت سی آیات ہیں جن میں افعال خداوندی پر غور کر کے صفت باری تعالیٰ کو سمجھنے پر زور دیا گیا ہے۔ نیز پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا:من علم ان اللہ تعالیٰ ربه وانی نبیه حرم اللہ تعالیٰ لحمه ودمه علی النار۔[37]

ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ کو رب جانا اور مجھے اس کا پیغمبر تسلیم کیا اللہ تعالیٰ نے اس کا گوش اور خون دوزخ کی آگ پر حرم کر دیا۔

علم ذات خداوندی کی شرط یہ ہے کہ عاقل و بالغ یہ جانے کہ حق تعالیٰ کی ذات قدیم، بے حد اور بغیر حدود موجود ہے۔ مخلوق میں کوئی اس جیسا نہیں۔ اس کی نہ بیوی ہے نہ اولاد اور جو کچھ وہم میں صورت پذیر ہو سکے یا خرد کے دائرہ اختیار میں سما سکے وہ اس کا خالق اور قائم رکھنے والا پروردگار ہے۔

عقیدہ وحدۃ الوجود:

اسلامی نظریہ وحدۃ الوجود سے مراد یہ ہے کہ وجود یا ہستی صرف واحد ہے۔ باقی ہمہ "عدم" ہے۔ اس ہستی کے وجود کے علاوہ وجود کائنات اور اس کے اندر تمام اشیاء و مخلوقات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اس کو دوسرے الفاظ میں "ہمہ اوست" کا عقیدہ کہتے ہیں۔ یعنی جو کچھ چشم ظاہری سے نظر آتا ہے سب کا سب اسی وجود واحد کا جلوہ ہے۔ اس ذات باری تعالی سے الگ کوئی شے نہیں البتہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وجود واحد کی نمود ہونے کی حیثیت سے تمام اشیائے کائنات اسی وجود واحد سے صادر ہوتی ہے وہ خود کسی شئے سے صادر نہیں ہوا اس نظریہ کو اسلامی تصوف میں "ہمہ از اوست" کہتے ہیں۔ خدا عین کائنات ہے۔ اسلامی تصوف کی اصل در حقیقت نہ مسیحیت ہے، نہ نو افلاطونیت، نہ بدھ مت نہ ہندو فلسفہ ہے اور نہ ہی فلسفہ ایران بلکہ اسلام ہے۔ قرآن مجید، حدیث شریف اور آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہی اِس کا اصلی منبع اور ماخذ ہے۔ "مقامات" اور "احوال" اسلام کے عقائد اور اعمال میں سے ہیں یہ صحیح ہے کہ اوائل اسلام میں ان کا کوئی عملی تجربہ یا کوئی منطقی ترتیب عمل نہیں میں آئی تھی، بلکہ یہ کام بعد میں صوفیائے کرام کی کوششوں سے انجام پایا اور "علم تصوف" نام پایا۔

البتہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام عرب سے نکل کر جوں جوں بیرونی ممالک میں پھیلتا گیا، اس پر مسیحیت، نو افلاطونیت اور دیگر فلسفہ کے بعض عناصر اثر انداز ہوتے رہے۔ ان مکاتیب خیال میں سب سے زیادہ اثر اِس پر فلسفہ "نو افلاطونیت" کا پڑا۔ اس فلسفہ کے اثر سے اسلام کے سادہ اور عام فہم عقیدہ "توحید" نے پیچیدہ اور عسیر الفہم "وحدت الوجود" کا رنگ اختیار کر لیا۔ اس رنگ آمیزی کا آغاز دراصل تیسری صدی ہجری (نویں صدی عیسوی) کے نصف اول میں ذوالنون مصریؒ (م245ھ / 859ء) کی ذات سے ہوا۔ ان کے بعد بایزید بسطامیؒ (م261ھ / 874ء)، حسین بن منصور الحلاجؒ (309ھ / 921ء) اور ابو بکر شبلی (م334ھ / 946ء) وغیرہ نے بھی اس کے متعلق اپنے خیالات و تاثرات کا اظہار کیا لیکن اس وقت تک "توحید" کے سلسلہ میں "وحدت الوجودی" رنگ اس قدر گہرا نہیں ہوا تھا۔ ساتویں صدی ہجری (تیرھویں صدی عیسوی) میں شیخ محیی الدین ابن عربیؒ (م638ھ / 1240ء) نے اس مسئلہ کی تفسیر اور تشریح اس طرح سے کی کہ یہ تصوف اسلام کا ایک اہم ترین حرف بن گیا۔ انہوں نے اپنی غیر معمولی استعداد اور قابلیت سے اس مسئلہ کو اِس قدر ہمہ گیر بنا دیا کہ دور مابعد کے صوفیاء اور شعراء میں سے کوئی بھی اس کے اثرات کی گرفت سے نہ بچ سکا۔ اس نظریہ کو بعد میں آنے والے صوفیاء اور خصوصاً شعراء نے اپنی تعلیمات

اور کلام فروغ دیا۔ کچھ محققین کا خیال ہے کہ اسلامی نظریہ وحدت الوجود کا اصل ماخذ فلسفہ نو افلاطونیت ہے۔ فلسفہ نو افلاطونیت کا کب اور کیسے ظہور ہوا اس کے متعلق ڈاکٹر نور الدین لکھتے ہیں:

"فلسفہ "نو افلاطونیت" قدیم یونانی فلسفی افلاطون (م 347 ق م) کے افکار وخیالات کی شرح و تفسیر میں تیسری صدی عیسوی میں ایک مستقل اسکول کی شکل میں وجود میں آیا۔ ایک عرصہ تک امونیوس ساکاس (م 242ء) کو جو کہ اسکندریۂ مصر میں افلاطونی فلسفہ کا ایک ممتاز معلم تھا، اس جدید مکتب کا بانی قرار دیا جاتا رہا۔ لیکن مزید تحقیقات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس مکتب کا حقیقی بانی فلاطینوس (م 270ء) ہے "[38]

امام قشیری نے عقیدہ وحدت الوجود کا ذکر الگ بحث یا الگ عنوان میں تو ذکر نہیں کیا۔ لیکن توحید باری تعالی کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام قشیری کا مسلک بھی عقیدہ وحدت الوجود ہے۔ شاید امام قشیری کے زمانہ میں اس طرح مسئلہ وحدت الوجود متنازعہ نہ ہو جس منصور حلاج، محی الدین ابن عربی کے زمانہ میں ہوا۔ امام قشیری سلسلہ جنیدیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے جابجا انہوں نے امام جنید بغدادی کے اقوال نقل کئے ہیں۔ عقیدہ وحدت الوجود کے متعلق بھی امام قشیری کا جنید بغدادی کا نقل کردہ قول ملاحظہ ہو:

حضرت جنید بغدادیؒ سے توحید خاص کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: یہ کہ بندہ اللہ کے سامنے مردہ جسم کی طرح ہو، اللہ کے احکام قدرت اور اس کی تدابیر کا تصرف اس پر جاری ہو اور وہ اپنے نفس سے فنا ہو کر اس کی توحید کے سمندروں میں ہو۔ اس کو یہ خبر بھی نہ ہو کہ مخلوق اسے پکار رہی ہے اور نہ ہی ان کی دعوت قبول کرنے کا خیال پیدا ہو کیونکہ اللہ کے حقیقی قرب میں ہونے کی وجہ سے اللہ کے وجود اور وحدانیت کی حقیقت کا اسے علم ہو جائے اور فنائے نفس یہ ہے کہ اس کی حس اور حرکت ختم ہو جائے کیونکہ اللہ ان تمام امور میں اس بندے سے جو چاہتا ہے وہ اس کا کفیل اور ضامن بن جاتا ہے۔ اس طرح کہ بندے کی انتہاء لوٹ کر ابتداء کی طرف آجائے اور وہ ایسا ہو جائے جس طرح وجود میں آنے سے پہلے تھا۔[39]

فرق صرف یہ ہے امام قشیری عقیدہ وحدت الوجود کو توحید خالص سے تعبیر کرتے ہیں۔ توحید خالص میں انسان رب تعالی کے سامنے فنا ہو جاتا ہے۔ اور اس کو فنائے نفس سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام قشیری نے حصری کے حوالہ سے توحید خالص کے درج ذیل پانچ اصول ذکر کیے ہیں: حادث چیز کی نفی کرنا۔ قدیم کے ساتھ ہولینا۔ بھائیوں سے علیحدگی اختیار کرنا۔ اپنے مقامات سے جدائی اختیار کرنا۔ ہر معلوم اور مجھول چیز کو بھول جانا۔[40]

عقیدہ رسالت:

اسلامی عقیدہ کی اساسات میں سے دوسری اساس عقیدہ رسالت ہے۔ جس طرح اللہ کی واحدنیت پر یقین رکھنا لازم ہے۔ اسی طرح رسولوں کی رسالت پر ایمان واعتقاد رکھنا مسلمان ہونے کی شرط ہے۔ رسالت اور رسول کا ایک ہی مادہ ہے۔ ابن منظور رسالت کا معنٰی یوں ذکر کرتے ہیں: الرسول معناہ فی اللغۃ الذی یتابع اخبار الذی بعثہ۔[41]

ترجمہ: رسول اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی باتوں کی پیروی کرے جس نے اسے مبعوث فرمایا ہے۔

جرجانی اصطلاحی تعریف یوں ذکر فرماتے ہیں:

الرسول ہو۔۔۔۔۔۔ انسان بعثہ اللہ الی الخلق لتبلیغ الاحکام۔[42]

ترجمہ: وہ انسان جو اللہ کی طرف سے مخلوق کی طرف احکام پہنچانے والا فریضہ سر انجام دیتا ہے۔

صدر الدین اصلاحی یوں تعریف ذکر کرتے ہیں: "شریعت کی اصطلاح میں رسالت اس سفارت کو کہے ہیں جسے اللہ نے انسانوں تک اپنے تشریعی احکام پہنچانے اور انہیں اپنی مرضی کی راہ بتانے کے لیے قائم کیا ہے۔ اس کا دوسرا نام نبوت ہے۔"[43]

نبی اور رسول کا معنٰی مترادف ہے یا ان میں فرق ہے ؟۔ اس سلسلہ میں سید ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں: "رسالت کا منصب خاص ہے اور نبوت کا منصب عام ہر رسول نبی ہوتا ہے۔ مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔"[44]

اللہ تعالیٰ نے رسالت کا سلسلہ حضرت آدمؑ سے حضرت محمد ﷺ تک جاری رکھا نبی پاک ﷺ کو ختم نبوت کی مہر بنا کر سلسلہ نبوت اور رسالت کا باب بند کر دیا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں حضرات انبیاء کرام کو فضیلت بخشی ہے۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام کو ملائکہ سے بھی اعلیٰ بنا کر دنیا میں بھیجا ہے۔ قرآن کریم اس انتخاب کا ذکر ایک مقام پر یوں کرتا ہے:

اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ[45]

ترجمہ: فرشتوں اور انسانوں میں سے اللہ جس کو چاہتا ہے پیغام پہچانے کیلئے منتخب کرلیتا ہے، بیشک اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

دوسرے مقام پر چند انبیائے کرام کو چن لینے اور منتخب کر لینے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ[46]

ترجمہ: بے شک اللہ نے آدم ونوح اور آل ابراہیم آل عمران کو سارے جہان پر (اپنی رسالت کے لیے) ترجیح دی۔

اور جب رسول اللہ ﷺ کا مرحلہ آیا تو آپ نے خود فرمایا، واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا: ان اللہ اصطفیٰ کنانۃ من ولد اسماعیل، واصطفیٰ قریشا من کنانۃ، واصطفی من قریش بنی ہاشم و اصطفانی من بنی ہاشم۔[47]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کی اولاد میں سے اسماعیلؑ کو چنا، ان میں سے بنو کنانہ کو منتخب کیا، بنو کنانہ میں سے قریش کا انتخاب کیا، قریش میں سے بنو ہاشم کو چنا اور بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب کیا۔

امام قشیری ایمان رسالت کے بعد اتباع رسول اور محبت رسول پر بہت ہی زور دیتے ہیں۔ قرآن مجید کی کئی آیات امام قشیری نے اپنی کتاب رسالہ قشیریہ میں ذکر کی ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ راہِ ہدایت پر چلنے کے لیے ضروری ہے اتباع رسول کو یقینی بنایا جائے۔ اتباع لغت میں تو کسی کے نشانات قدم پر چلنے کو کہتے ہیں، بعد میں اس کا استعمال عام ہو گیا اور اس کا مفہوم ہوا کسی دوسرے کے عمل جیسا عمل کرنا۔ اتباع کی اصطلاحی تشریح کرتے ہوئے امام احمد سے منقول ہے: ھو ان یتبع الرجل ماجاء عن النبی ﷺ وعن اصحابہ۔[48]

ترجمہ: اتباع یہ ہے کہ آدمی اس چیز کو پیروی کرے جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے منقول ہے۔

قرآن کریم نے اتباع نبوی ﷺ کو بہت وضاحت سے بیان کیا ہے اور اس کے لیے مختلف انداز اختیار کیے ہیں۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کی محبت کو اتباع نبوی پر منحصر قرار دیتے ہوئے فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [49]

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو (اس کے نتیجے میں) اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور وہ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا، اور اللہ تو بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

صوفیاء کرام کے نزدیک ایمان بالرسل بھی ایمان کی بنیادی شرط ہے امام قشیری نے رسالہ قشیریہ میں حدیث جبرائیل ذکر کی ہے جس میں حضرت جبرائیل نے سوال کیا ہے کہ ایمان کیا ہے؟ جس کے جواب میں نبی پاک ﷺ نے ایمان کی مکمل تعریف کر دی حدیث جبرائیل ملاحظہ ہو: جاء جبریل الی النبی ﷺ فی صورۃ رجل، فقال: یا محمد، ما الایمان قال: ان تومن باللہ وملائکتہ، وکتبہ، ورسلہ، والقدر خیرہ وشرہ، وحلوہ ومرہ۔ قال: صدقت۔ قال: فتعجبنا من نصدیقہ النبی ﷺ وھو یسالہ ویصدقہ، قال: فاخبرنی ماالاسلام؟ قال: الاسلام ان تقیم الصلاۃ، وتوتی الزکاۃ، وتصوم رمضان، وتحج البیت، قال: صدقت، قال: فاخبرنی ما الاحسان؟ الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك قال: صدقت۔۔۔[50]

ترجمہ: حضرت جبریل علیہ السلام انسانی صورت میں آئے اور پوچھا اے محمد ﷺ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور تقدیر کے خیر و شر اور میٹھے اور کڑوے پر ایمان لانا" انہوں نے کہا: آپ ﷺ نے سچ فرمایا حضرت حریر بن عبداللہ فرماتے ہیں: ہمیں ان کی تصدیق پر تعجب ہوا کہ وہ رسول اکرم ﷺ سے سوال بھی کرتے ہیں اور تصدیق بھی کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا مجھے اسلام کے بارے میں خبر دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اسلام یہ ہے کہ تم نماز قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو (ماہ) رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ شریف کا حج کرو۔" حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ پھر کہا مجھے احسان کے بارے میں خبر دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ پس اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

عقیدہ آخرت:

آخرت کے لفظی معنیٰ بعد میں آنے والا کے ہیں۔ آخرت کا مفہوم (الیوم الاخر، والحیاۃ الاخرۃ اور والدار الاخرۃ) پچھلا دن، پچھلی زندگی اور آخری گھر ہے۔ یعنی موجودہ زندگی کے بعد آنے والی دوسری دنیا کی زندگی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ دنیا کے بعد ایک اور دنیا بھی ہے، جہاں ہمیں ہمیشہ رہنا ہے۔ آخرت سے کیا مراد ہے۔ اس سلسلے میں امام طبری اپنیؒ میں تفسیر و بالاخرۃ ھم یوقنون کے تحت آخرت کا مفہوم یوں ذکر کرتے ہیں۔ کہ آخرت کو آخرت اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ پیدائش کے بعد ہے جس طرح دنیا کو دنیا اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ پیدائش کے قریب ہے۔ اس تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم آخرت سے مراد قیامت اور اس روز پیش آنے والے عجیب و غریب قسم کے حالات وواقعات ہیں۔ اس سے مراد دوبارہ اٹھنے، قیامت، جنت، دوزخ، حساب اور میزان وغیرہ پر ایمان لانا ہے۔[51]

موجودہ دنیا انسان کی امتحان گاہ ہے۔ یہاں ایک خاص عرصہ کے لیے انسان کو رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب انسان دنیا کو چھوڑ کر دوسری دنیا پہنچے گا وہاں تمام انسان دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ ہر انسان نے موجودہ دنیا میں جو بھی کام کیے ہیں ان کا حساب ہوگا۔ فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ [52]

ترجمہ: اور وہی تو ہے جو رات کو تم پر موت طاری کر دیتا ہے، جو کچھ دن میں کرتے ہو وہ اس کو جانتا ہے۔ پھر دن کے وقت اٹھا کر کھڑا کرتا ہے تاکہ مقررہ مدت پوری کر دی جائے پھر اس وقت اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر اس وقت وہ تمہارے اعمال جو کچھ دنیا میں کرتے رہے ہو، بتائے گا۔

نبی پاک کی احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کا سفر دو طرح کا ہے۔ آخرت سے متعلق اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ انسان کو صرف ایک دفعہ دنیا میں پیدا کرتا اور مارتا ہے۔ پھر قیامت کے دن اُسے دوبارہ زندہ کرے گا۔ اس عقیدے سے مختلف یا متضاد و متناقض جملہ عقائد غیر اسلامی ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ [53]

ترجمہ: تم اللہ کا انکار کیسے کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے؟ اُس نے تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف پلٹ کر جاؤ گے۔

نبی پاک لوگوں کو عذاب قبر اور آخرت کی منازل سے ڈراتے تھے۔ عقیدہ آخرت ہی ایسا عقیدہ ہے جس سے صحیح معنیٰ میں لوگوں کے اندر اللہ کا ڈر پیدا ہوتا ہے۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی بہت ہی کم ہے۔ صوفیاء کرام اپنے سالکین کو اس بات کی طرف بھی بلاتے رہے ہیں کہ دنیا کا سازو سامان اور عیش و عشرت چند دنوں کی ہے۔ اصل زندگی تو آخرت کی ہے۔ جیسے کتاب اللمع میں دنیا اور اخروی زندگی کا قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں ذکر کیا گیا ہے۔[54]

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى[55] (تم فرمادو کہ دنیا کا برتنا تھوڑا ہے اور ڈرنے والوں کے لیے آخرت اچھی ہے)۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ [56]

ترجمہ: جو آخرت کی کھیتی چاہے ہم اس کے لیے اس کی کھیتی بڑھائیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہے ہم اسے اس میں سے کچھ دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔

موت کے وقت اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا بھی اللہ کے نیک بندوں کی نشانی ہے۔ امام قشیری حدیث نقل کرتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ان النبی ﷺ دخل علی شاب وعوفی الموت فقال کیف تجدك؟ فقال ارجو الله تعالیٰ واخاف دنوبی فقال رسول الله ﷺ شیئان لا یجتمعان فی قلب عبد مومن فی هذا الموطن الا اعطاه الله مایرجوء وامنه مما یخاف۔ [57]

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ ایک قریب الموت نوجوان کے پاس تشریف لے گئے تو پوچھا اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟ اس نے کہا اللہ سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں کا خوف بھی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اس موقعہ پر جس مومن کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہو جائیں اللہ اسے اس کی امید کے مطابق عطا کرتا ہے اور اسے جس بات کا ڈر ہوتا ہے اس سے اس کو محفوظ کر دیتا ہے۔

امام قشیری نے صوفیائے کرام کی موت کے احوال کو نقل کیا ہے۔ جیسے حضرت شبلی کی وفات کا نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابو محمد ھروی نے فرمایا: میں حضرت شبلیؒ کی وفات کی رات ان کے پاس ٹھہرا تو وہ رات بھر یہ دو شعر پڑھتے رہے:

کل بیت انت ساکنه　　　غیر محتاج الی السرج

وجهك المامول حجتنا　　　یوم یاتی الناس بالحجج

ترجمہ:　جس گھر میں تو ساکن ہے(یعنی دل میں)، اس کو کسی چراغ کی ضرورت نہیں۔ اس دن جب لوگ اپنی اپنی حجت لے کر آئیں گے تیرا دیدار، جس کی ہمیں امید ہے، ہمارے لیے حجت ہے۔[58]

حضرت ابو محمد دبیلیؒ کی وفات کے وقت ان سے کہا گیا کہ "لا الہ الا اللہ" پڑھیں۔ انہوں نے فرمایا: یہ وہ بات ہے جسے ہم پہچان چکے ہیں اور اسی کے ساتھ فنا ہو رہے ہیں۔ پھر انہوں نے یہ شعر پڑھا:

تسربل ثوب التیه لما هویته

وصد ولم یرض بان اك عبده

ترجمہ:　جب میں محبوب پر عاشق ہو گیا تو وہ اکڑ گیا اور اس نے منہ موڑ لیا اور مجھے اپنا غلام بنانے پر راضی نہ ہوا۔[59]

موت کے وقت کلمہ شہادت کی صوفیاء کرام تلقین کرتے تھے جیسے حضرت یحیٰی کی موت کی حکایت ملاحظہ ہو: "جب حضرت یحیٰی اصطخریؒ کا انتقال ہوا تو ہم ان کے گرد بیٹھ گئے۔ ہم میں سے ایک نے ان سے کہا کہ آپ "اشهد لا اله الا الله" پڑھیں تو وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے پھر ہم میں سے ایک کا ہاتھ پکڑا اور اس سے فرمایا" اشهد لا اله الا الله" پڑھو۔ پھر دوسرے کا ہاتھ پکڑا حتیٰ کہ سب حاضرین پر شہادت کو پیش کیا پھر انتقال فرمایا۔"[60]

موت ایک حقیقت ہے اور موت کا وقت مقرر ہے۔ امام قشیری نے موت سے متعلق آیات اور احادیث ذکر کی ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر صوفیاء کرام نے بھی کتب تصوف میں موت کو بطور عبرت کے ذکر کیا ہے۔ موت کی کیفیت کو صوفیاء کرام لازمی بیان کرتے ہیں تاکہ دنیا میں لوگ اللہ سے ڈر جائیں۔ صوفیاء کرام پر جب نزاع کا وقت آتا ہے تو اکثر صوفیاء کرام کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذکر کرتے اور اللہ کے خوف سے ڈرتے ہوئے موت کو خوش آمدید کہا۔ عقیدہ آخرت ایک جامع اصطلاح ہے۔ جس میں دو طرح کا سفر ہے۔

1:　ایک موت سے لے کر قیامت تک: نبی کریم نے فرمایا قبر یعنی برزخ آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے۔ قرآن مجید میں لفظ "برزخ" آیا ہے: بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ[61] (ان دونوں میں پردہ ہے کہ وہ حد سے تجاوز نہیں کر سکتے۔)۔ برزخ کا معنیٰ دو چیزوں کے درمیان آڑ، اصطلاح میں اس سے مراد مرنے کے بعد سے لے کر روزِ قیامت اور دوبارہ اٹھنے تک کا وقت ہے۔[62]

2:　قیامت سے لے کر ابد تک: جس میں موت اور فناء نہیں ہے یہ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہے۔ بعثت، حشر و نشر اور قیامت اس میں شامل ہیں۔ ان سے مراد جی اٹھنے۔ اکٹھے کیے جانے اور کھڑے ہونے کے لیے جاتے ہیں۔ اس عالم کا نام قرآن میں "الدار الاخرۃ" اور "عقبی الدار" یعنی دوسرے یا پچھلے گھر کے ہیں۔

حیات برزخ کے بعد یوم محشر ہو گا، جس دن لوگوں کو حساب و کتاب کے لیے جمع کیا جائے اور اس دن تمام لوگوں کو روح اور جسم کے ساتھ ہی اٹھایا جائے گا۔ جیسے امام قشیری لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ روح اور جسم دونوں کو جزاء و سزاء کے لیے حشر کے دن جمع کرے گا۔ وہ روح کی

بحث کے ضمن میں رقم طراز ہیں:"اللہ کی عادت کریمہ ہے کہ جب تک ارواح بدنوں میں ہوں، وہ جسموں میں زندگی کو باقی رکھتا ہے کیونکہ انسان حیات کے ساتھ حی (زندہ) ہے لیکن ارواح اس ڈھانچے میں رکھی گئی ہیں اور یہ ارواح نیند کی حالت میں اوپر چڑھ جاتی ہیں اور جسم سے جدا ہو جاتی ہیں پھر اس کی طرف واپس آجاتی ہیں اور انسان روح اور جسم (کا مجموعہ) ہے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان دونوں کو ایک دوسرے پر مسلط کر رکھا ہے اور حشر دونوں کا ہو گا اور ثواب و عذاب بھی دونوں کو ہو گا ارواح مخلوق ہیں اور جو شخص ان کو قدیم کہتا ہے وہ بہت بڑا خطاکار ہے۔ احادیث مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ اعیان لطیفہ (لطیف اجسام) ہیں۔"[63]

اسی طرح حضرت بایزید کا بھی قول ملاحظہ ہو:"اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو دنیا و آخرت میں رویت حق سے محروم ہوں تو مرتد ہو جائیں۔ یعنی ان کی پرورش دائمی مشاہدے سے ہوتی ہے۔ محبت کی زندگی سے وہ زندہ ہیں۔ صاحب مشاہدہ اگر محروم مشاہدہ ہو تو گویا راندۂ درگاہ ہو جاتا ہے"[64]۔ محشر کے دن لوگوں کی نبی پاک شفاعت کریں گے اور آپ کی شفاعت کے بعد شفاعت کا جب دروازہ کھلے گا تو بہت سے دوسرے لوگ بھی شفاعت کریں گے۔ مگر شفاعت کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کے دل میں ایمان ہو۔ کافر ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہے گا ، جیسے امام قشیری نے حدیث نقل کی ہے اللہ تعالیٰ اس دن اس شخص کو بھی دوزخ سے نکالنے کا کہے گا جس کے دل میں ذرا بھر بھی ایمان ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ: يقول الله تعالىٰ يوم القيامة اخرجوا من النار من كان في قلبه مثقال حبة شعير من ايمان ثم يقول اخرجوا من النار من كان في قلبه مثقال حبة خردل من ايمان ثم يقول و عزتي و جلالي لا اجعل من امن بي ساعة من ليل او نهار كمن لم يومن بي۔[65]

ترجمہ: اللہ قیامت کے دن فرمائے گا اس شخص کو جہنم سے نکالو جس کے دل میں جو کے دانے کے برابر ایمان ہے۔ پھر فرمائے گا جہنم سے اس کو بھی نکالو جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے۔ پھر فرمائے گا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! جو شخص مجھ پر رات یا دن کی ایک گھڑی بھی ایمان لایا میں اسے اس کے برابر نہیں کروں گا جو مجھ پر ایمان نہیں لایا۔[66]

جب لوگ کا حساب و کتاب ہو جائے گا تو پھر نیک اور متقی و مومن لوگوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور جو دوزخی ہوں گے ان کو فرشتے دوزخ میں لے جائیں گے۔ صوفیاء کرام یہ نہیں چاہتے کہ لوگ دوزخ میں جائیں بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ سب کے سب جنت میں جائیں۔ صوفیاء کرام کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو صرف اور صرف اللہ کی رضا کی خاطر عبادت کرتا ہے۔ نہ تو وہ جنت کے لالچ اور نہ ہی دوزخ کے خوف سے عبادت کرتے ہیں جیسے حضرت علی ہجویری نے حضرت ابو بکر شبلی کی دعا نقل کی ہے:"شبلیؒ دعا میں کہا کرتے تھے "اے خدا! دوزخ و جنت کو چھپالے تاکہ تیری عبادت بلا واسطہ اور بغیر کسی لالچ کے ہو۔" طبیعت میں بہشت کی خواہش ہوتی ہے اور اکثر عبادت اسی لیے کی جاتی ہے۔ دل میں محبت حق جاگزیں نہیں ہوتی اور آدمی اپنی غفلت کی وجہ سے مشاہدۂ حق سے محروم رہتا ہے۔"[67]

اسلامی عقائد میں دیگر سے اعتقادات شامل ہیں۔ مگر یہاں صرف تین بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور اخروی زندگی کو بیان کیا گیا ہے۔ صوفیائے کرام کی ہر مسئلہ کی تعبیر لفظی طور پر تو مختلف ہے، مگر حقیقتاً متکلمین اور ان کی اصطلاحات میں کوئی فرق نہیں ہے۔

نتائج تحقیق:

1. اسلام مخصوص اعتقادات و ٹھوس نظریات پر اعتقاد رکھنے کا نام ہے۔ اسلامی عقائد کی بنیاد توحید، رسالت اور آخرت پر ہے۔

2. تصوف کی امہات کتب میں امام قشیری کی کتاب رسالہ قشیریہ کا ہوتا ہے۔ مابعد تمام صوفیائے کرام نے رسالہ قشیریہ کو ماخذ بنایا ہے۔

3. صوفیائے کرام نے عقائد اسلامیہ میں توحید کو تفصیلا موضوع حدیث بنایا ہے۔ کیونکہ صوفیائے کرام کی ہر حال میں توجہ الی اللہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام قشیری نے بھی اپنی کتاب میں توحید کی تعریف، توحید کا اقرار، دلائل، اقوال، ذات باری تعالی کی صفات اور توحید کی اقسام اور اقوال ذکر کئے ہیں۔

4. امام قشیری نے رسالت کی مباحث میں اتباع رسول اور سنت کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ عقیدہ رسالت سے متعلق اصولی مباحث کو ذکر نہیں کیا ہے۔

5. عقیدہ آخرت میں سے امام قشیری نے موت کے احوال اور واقعات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس میں صوفی لوگ موت کو کثرت سے اس وجہ سے یاد کرتے ہیں کیونکہ موت کی یاد سے دل اللہ کی طرف لگے رہتا ہے۔ اور موت ہی وقت اللہ کا دیدار حاصل ہوتا ہے۔

سفارشات

1. آج کے دور میں اسلامی عقائد کی غلط تعبیر کثرت سے ہو رہی ہے۔ صوفیائے کرام کی عقیدہ کی تعبیر بہت ہی آسان اور عام فہم ہے۔ صوفیائے کرام متکلمین اور فلاسفر کے برعکس عقائد اسلامی کو عام انسان کی فہم و فراست کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ لہذا ضرورت اس امر کی آج کے اس پر فتن دور میں صوفیائے کرام کی عقیدہ کی تعبیر کی جائے۔

2. سرکاری جامعات اور مدارس وسکول میں اسلامی تصوف پڑھانے کی ضرورت ہے کیونکہ تصوف لٹریچر فرقہ واریت سے پاک ہے۔ اور ساتھ ساتھ اس میں انسان کی روحانی وجسمانی تعلیم وتربیت کا اعلی انتظام ہے۔

3. امام قشیری کی تعلیمات کو عام کرنے اور ان پر تحقیق کرنے کے لئے قشیری چیئرز قائم کی جائیں۔

حوالہ جات

---

[1] قشیری، امام عبدالکریم بن ہوازن، الرسالۃ القشیریۃ (وضع حواشیہ (خلیل المنصور، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، طبع اولیٰ 1998ء، ص5

[2] رسالہ قشیریہ، مترجم: پیر محمد حسن، اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلام، طبع پنجم، ص7

[3] رسالہ قشیریہ، مترجم: پیر محمد حسن، اسلام آباد، 2015ء، ص7-8

[4] رسالہ قشیریہ، مترجم: مفتی محمد صدیق ہزاروی، 2009ء، ص39

[5] الرسالۃ القشیریۃ، (وضع وحواشیہ)، خلیل منصور، لبنان، 1998، ص6

[6] رسالہ قشیریہ، مترجم: مفتی محمد صدیق ہزاروی، 2009ء، ص39-40

[7] ایضاً، ص19-20

[8] رسالہ قشیریہ، مترجم پیر محمد حسن، 2015ء، ص22

[9] رسالہ قشیریہ، مترجم: پیر محمد حسن، 2015ء، ص22

[2] ایضاً، ص:36-38

[10]رسالہ قشیریہ، مترجم: مفتی صدیق ہزاروی، 2009ء، ص:46-47

[11] رسالہ قشیریہ، مترجم: پیر محمد حسن،2015ء،ص:126-128

[12] رسالہ قشیریہ، مترجم: پیر محمد حسن،2015ء،ص128-129

[13]ایضاً، (باب الحریۃ)،ص254

[14]رسالہ قشیریہ مترجم: پیر محمد حسن،2015،ص39

[15]فراہیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین، بیروت: دار و مکتبہ مادہ عقد، ج1، ص141

[16]ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، (ترجمہ عبد الرحمٰن دہلوی)، حیدر آباد: مکتبہ عثمانیہ، ص458

[17] اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور: دانش گاہ پنجاب، ج14، ص420

[18] تفتازانی، سعد الدین، شرح العقائد الاسلامیۃ، کراچی: قدیمی کتب خانہ،1974ء، ص514

[19] امین احمد، ظہر الاسلام، بیروت: دار الکتب العربیۃ،2000ء، ج4، ص15

[20]ابن باز، عبد العزیز بن عبد اللہ، العقیدۃ الصحیحیۃ، مدینہ منورہ: جامعہ اسلامیہ، 1395ھ / 1975ء، ص4-3

[21] صدر الدین، محمد بن علاء، شرح عقیدۃ الطحاویۃ، سعودی عرب، وزارۃ الشئون الاسلامیۃ،1418ھ، ج1، ص7

[22] قشیری، رسالہ قشیریہ، ص53

[23] ہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب، لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، (مترجم فضل الدین گوہر)،2016ء، ص376

[24] قشیری، رسالہ قشیریہ، ص55

[25]ہجویری، کشف المحجوب، ص:272

[26] قشیری، عبد الکریم ہوازن، رسالہ قشیریہ، (مترجم: صدیق ہزاروی)، لاہور: مکتبہ اعلیٰ حضرت،2009ء، ص516

[27] قشیری، عبد الکریم ہوازن، رسالہ قشیریہ، (مترجم: صدیق ہزاروی)، لاہور: مکتبہ اعلیٰ حضرت،2009ء، ص516

[28] عالم، مولوی محبوب، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، لاہور: ادارہ اسلامیات، 2001ء، ص210

[29] قشیری، رسالہ قشیریہ، ص517-518

[30]الشوریٰ:11

[31] قشیری، رسالہ قشیریہ، ص518

[32] ایضا

[33] محمد:19

[34] الانفال:40

[35] الفرقان:45

[36] الغاشیۃ:17

[37]المعجم الکبیر، ہیثمی، مجمع الزوائد

[38] نور الدین، ابو سعید، اسلامی تصوف اور اقبال، لاہور: مطبوعہ اقبال اکیڈمی،1977ء، ص:90

[39] قشیری، رسالہ قشیریہ، ص517-518

[40] قشیری، رسالہ قشیریہ، ص517

[41] ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان، بیروت: دار الکتب العربیۃ، ج11، ص284

[42] جرجانی، سید شریف، کتاب التعریفات، ص81

[43] اصلاحی، صدر الدین، اسلام ایک نظر میں، دہلی: مکتبہ جماعت اسلامی، ص510

[44] مودودی، سید ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، ج4، ص149

[45] الحج:75

[46] آل عمران:33

[47] قشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1998ء، 4/19، رقم الحدیث:2276

[48] شیبانی، احمد بن حنبل، موسوعۃ نفرۃ النعیم، بیروت: دار الکتب العربیۃ، 2/10

[49] آل عمران:31

[50] قشیری، رسالہ قشیریہ، ص351

[51] طبری، ابن جریر، تفسیر طبری، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1990ء، ج2، ص234

[52] الانعام:60

[53] البقرۃ:28

[54] طوسی، اللمع، ص:80

[55] النساء:77

[56] الشوریٰ:20

[57] قشیری، رسالہ قشیریہ، ص522

[58] قشیری، رسالہ قشیریہ، ص623

[59] قشیری، رسالہ قشیریہ، ص528

[60] قشیری، رسالہ قشیریہ، ص527

[61] الرحمٰن:20

[62] جرجانی، سید شریف، کتاب التعریفات، ص38

[63] قشیری، رسالہ قشیریہ، ص193

[64] ہجویری، کشف المحجوب، ص432

[65] بخاری، صحیح بخاری، 1/20، رقم الحدیث:19،36

[66] قشیری، رسالہ قشیریہ، ص258

[67] ہجویری کشف المحجوب، ص431